ماہنامہ نفاذ اردو
اپریل ۲۰۲۴
مشینی ترجمہ
اور پاکستان کی لسانی ضروریات
پروفیسر ڈاکٹر ضیاء القیوم
سابق وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
نفاذ قومی زبان تحریک پاکستان کا نامکمل ایجنڈا ہے۔
گفتگو: عطاء الرحمن چوہان صدر تحریک نفاذ اردو پاکستان
TNUPAK
+923495059760
TNUPAK
tnupak@gmail.com
تحریکِ نفاذِ اُردو پاکستان

تحریک نفاذ اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ نفاذِ اردو (ڈیجیٹل)، اپریل 2024

زیر نگرانی

فرخندہ شمیم

مدیر اعلیٰ

عطاء الرحمن چوہان

مدیرہ

عالیہ بٹ

مدیران معاون

ثروت اقبال،

محمد اسلم نشتر

فہرست مضامین

- القرآن
- اداریہ
- مشینی ترجمہ اور پاکستان کی لسانی ضروریات، ڈاکٹر ضیاء القیوم
- اردو، مایوس کن صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں، ڈاکٹر حسیب احمد
- نفاذ قومی زبان تحریک پاکستان کا نامکمل ایجنڈا، عطاء الرحمن چوہان
- انگلش میڈیم تعلیم یا تباہی، سعید ارشد
- پاکستان اور اردو سے پیار کریں۔ ام ابراہیم
- ہم بھی زبان رکھتے ہیں، ام عبد اللہ
- اردو ناگزیر ہے۔ ساجدہ حسین
- بولتی کہانی، فرید شیخ
- نحوی دلہن کا مبتدا شوہر
- شادی بیاہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی۔ سید شہاب الدین

دفتر: تحریک نفاذ اردو پاکستان، ایس۔199، ملک آباد شاپنگ مال، مری روڈ، سٹلائٹ ٹاون، راولپنڈی

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور اسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہ راست دکھانے والی اور حق وباطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ لہذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جارہا ہے تاکہ تم روزوں کے تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

(آل عمران:186-187)

اداریہ

"خاموشی توڑیئے"

وزیر اعظم پاکستان کو دستور پابند کرتا ہے کہ وہ ملک کا سارا نظام دستور کے مطابق چلائیں، وفاق اور صوبوں کے تمام اداروں اور حکموں کو دستور کی پابندی کروائیں۔ دستور کی شق 251 کے مطابق ملک کا سارا نظام قومی زبان اردو میں چلایا جانا چاہیے۔ 14 اگست 1988 سے دستور کی شق لاگو ہے اور پھر 8 ستمبر 2015 کو سپریم کورٹ نے اس شق کی بنیاد پر دوٹوک فیصلہ دیا کہ قومی زبان کے نفاذ میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔ اس کے باوجود حکمران مسلسل خاموش ہیں اور قومی زبان کے بجائے استعماری زبان انگریزی کے تسلط کو روز بروز مضبوط کیے جا رہے ہیں۔ وہ پوری دلیری سے یہ سب کچھ کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ دستور اور سپریم کورٹ کا فیصلہ ان کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، وہ وہی کریں گے، جو چاہیں گے۔

حد تو یہ ہے کو کسی عدالت نے اب تک از خود نوٹس نہیں لیا۔ حکمرانوں کی طرح جج بھی اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق نوٹس لیتے ہیں۔ کبھی یوں لگتا ہے کہ عدالتیں دستور پاکستان کی حفاظت سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹیں گئیں اور کبھی ان کا رویہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا دستور پاکستان سے کچھ لینا دینا نہیں۔ اصل بات مفادات کی ہے۔ پاکستان کا ہر طبقہ دستور کو اپنے مفاد کی حد تک معتبر سمجھتا ہے، اس کے علاوہ وہ دستور کا جانتے اور مانتے نہیں۔

وکلاء اور بار کونسلیں پوری تعبیداری سے قومی زبان کی پامالی پر تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ انہیں آج تک اس معاملے میں کہیں دستور شکنی نظر نہیں آئی اور نہ توہین عدالت کا ارتکاب دکھائی دیا۔

بال کی کھال اتارنے والی صحافی مگرمچھ کی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں، قومی زبان کے ذریعے رزق تو کماتے ہیں لیکن سرکار کی ناراضگی سے بچنے کے لیے کسی بھی فورم پر قومی زبان کے سرکاری استعمال پر آواز نہیں اٹھاتے، کسی حکمران، سیاستدان سے سوال تک نہیں کرتے، نہ خبر بناتے ہیں، نہ اداریہ لکھتے ہیں اور نہ کالم کا موضوع بناتے ہیں۔

یہ معاملہ اہل قلم، اساتذہ اور علماء کا ہے، کام، دھن اور نام تو قومی زبان کے دم خم سے ہے لیکن اس کے تحفظ بقا اور نفاذ کے لیے ایک لفظ کہنے اور لکھنے سے جان جاتی ہے۔

ارباب دانش (بہ زبان خود) سے بات کیجئے تو کہتے ہیں کہ یہاں کچھ ہونے کا نہیں، وقت ضائع نہ کریں۔ اس طبقے کو پاکستان کا مطالبہ بھی دیوانے کی بڑ لگتا تھا۔ تحریک نفاذِ اردو پاکستان کا قافلہ اپنی منزل کی طرف گامزن ہے اور ساری رکاوٹوں کو عبور کر کے نفاذ قومی زبان کی منزل پالے گا، (ان شاءاللہ)

عطاالرحمن

اپریل 2024 عطاء الرحمن چوہان، مدیر اعلیٰ

مشینی ترجمہ اور پاکستان کی لسانی ضروریات.....

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء القیوم، سابق وائس چانسلر گجرات یونیورسٹی / علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

ترجمہ کو دورِ قدیم سے ہی انسانی تہذیب کے ارتقاء میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور انسانی معاشرے کی ترویج کے ساتھ ساتھ ترجمہ کی حیثیت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ ترجمہ اصلاً کسی بھی قوم کے مقامی علوم کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوا ہے۔ دورِ حاضر ٹیکنالوجی کی وسیع تر پیش رفت کا دور ہے۔ ترجمہ اصلاً لسانیات کا ایک ایسا شعبہ ہے جو زبانوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرواتے ہوئے اسالیب، علم اور فن کے نئے دریچوں کو وا کرتے ہوئے زبانوں کی بنیادوں کو مستحکم کرتا ہے۔ اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ اکیسویں صدی ٹیکنالوجی کی صدی ہے۔ اس صدی میں جو قوم و ملک مقامی طور پر پائیدار ٹیکنالوجی کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو گا وہی قوموں کی صف میں ممتاز مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گا۔ پاکستان بنیادی طور پر ایک کثیر لسانی ملک ہے۔ یہاں پر قومی اور علاقائی زبانوں کی صحیح معنوں میں ترقی و ترویج کے لئے نسبتاً ابھی تک بہت کم کام ہوا ہے۔ ہمیں اپنی قومی زبان کے فروغ کے لئے انفارمیشن ٹیکنالوجی کو بدرجہ اُتم استعمال کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ فوائد سمیٹنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں فرہنگ، لغات اور ٹرانسلیشن میموریز تیار کرنے پر توجہ دینا چاہئے۔ مشینی سافٹ ویئر ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کا کام خودکار طریقہ سے سرانجام دے سکتا ہے مگر اس سلسلہ میں کچھ دشواریاں بھی ہیں کیونکہ ترجمہ میں درستی اور تسلسل کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ مختلف زبانوں میں ترجمہ کی ضروریات اب اتنی بڑھ چکی ہیں کہ پیشہ ور مترجمین کے لئے اتنی مقدار میں اس طلب کو پورا کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے

ترجمہ کے شعبہ میں کمپیوٹر کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ مگر سوئی وہیں آکر اٹک جاتی ہے کہ ترجمہ کے عمل میں سب سے معتبر عنصر یعنی ترجمہ کا معیار کیسے برقرار رکھا جائے؟ مشینی ترجمہ کے نظام کی افادیت ترجمہ کے معیار کے ذریعے ہی متعین کی جاسکتی ہے۔ تاہم کسی ترجمہ کے معیار کا تعین کرنا، چاہے وہ کسی انسان نے کیا ہو یا مشین نے، بہت مشکل امر ہے۔ ویسے بھی معیاری ترجمہ کی تعریف متعین کرنا آسان کام نہیں۔ اس کا زیادہ تر انحصار اس مخصوص صورتحال پر ہے جس میں ترجمہ کا وہ کام سرانجام دیا گیا ہے اور وہ ترجمہ کسی مقصد کے لئے کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ متن کے ساتھ وابستگی، ترجمہ کی درستگی، ابلاغ اور اسلوب بیان وہ معیارات ہیں جن پر بحث کی جاسکتی ہے مگر یہ سب موضوعی فیصلے ہیں۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں کمپیوٹر لسانیات، لسانی انجینئرنگ، مشینی ذہانت، نیچرل لینگوئج پروسیسنگ اور متوازی و قابل موازنہ کارپس جیسے شعبہ جات میں اپنی صلاحیت کو بڑھانا ہو گا تاکہ ترجمہ کے ضمن میں پاکستان کی مقامی

مشینی ترجمہ دراصل ایک ایسا عمل ہے جس میں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ انسانی مدد کے بغیر کمپیوٹر کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

لسانی ضروریات کی تکمیل کی جاسکے۔ یہ اصلاً لسانیات، کمپیوٹر سائنس، مصنوعی ذہانت، ٹرانسیلشن تھیوری وغیرہ سے اخذ کردہ کئی خیالات، طریقہ ہائے کار اور مہارتوں پر مبنی ایسا نظام ہوتا ہے جو

والے مسائل سے جوڑتا ہے۔ مثلاً پروسیسنگ کی رفتار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے الفاظ کے معنی کی نمائندگی کو لغت کے ذریعے محفوظ کرنا اور پھر کمپیوٹر کے ذریعے زیر ترجمہ جملے کا میکانکی تجزیہ کرنا۔

کمپیوٹر کے ذریعے ترجمہ کے راستے میں جو بڑی رکاوٹیں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں کمپیوٹر سے متعلق نہیں بلکہ لسانیات سے متعلق ہیں۔ کمپیوٹر سے متعلقہ مسائل اور پیچیدگیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود میں بہت زیادہ بااعتماد ہوں کہ ہمارے محققین اس شعبہ میں سافٹ ویئر بناسکتے ہیں اور مشینوں کو اس قابل بناسکتے ہیں کہ وہ علم کی دنیا میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

ترجمہ کے عمل کو تیز تر کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ اطلاقی شعبۂ تحقیق ہے جس نے اب تک کافی ٹھوس مہارتیں اور تصورات تشکیل دیئے ہیں جو دوسرے ایسے شعبوں میں بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں جہاں کمپیوٹر پر بنیاد رکھنے والی لسانی پروسینگ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مشینی ترجمہ کے مسائل کو دو بڑے دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لسانی دائرہ اور کمپیوٹر سے متعلق دائرہ۔ لسانی دائرہ وہ فطری زبان ہے جو دنیا میں بولی جاتی ہے اور جو لفظ اور فقرے کی سطح پر بخوبی معنیاتی اور تناظری معلومات سے متعلق لسانی تھیوری کو متعین کرتی ہے۔ کمپیوٹر کا دائرہ ان متعلقہ مسائل کو مشینی ترجمے میں پیش آنے والے عمل میں پیدا ہونے

جیسا کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا کہ ترجمہ نویسی مختلف قوموں اور تہذیبوں کے ادب اور علوم وفنون کو باہم روشناس کروانے کا عندیہ ہے۔ آج ہم اپنی گفتگو میں اکثر دنیا کے متعلق بات چیت کرتے ہوئے گلوبل ولیج کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ گلوبل ولیج کا اصلاً مفہوم یہی ہے کہ تمام انسانیت کا رابطہ باہمی طور پر مضبوط و مستحکم ہو اور دنیا بھر میں مختلف شعبہ جات کے ماہرین ایک دوسرے کی تحقیق اور دریافت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عوام الناس کے لئے آسانیاں فراہم کرنے کا وسیلہ بنیں۔

اُردو ۔ مایوس کُن صورت اور ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر حسیب احمد

کیا یہ بیان حقیقت ہے یا بے جا مغالطہ انگیزی؟ ''اُردو کے نفاذ کا مسئلہ کسی قومی، ملکی، یا نسلی عصبیت کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایک زبان کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری زبان نافذ کر دی جائے، بلکہ یہ دینی، قومی، ملکی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسئلہ ہے''۔ آیئے جائزہ لیتے ہیں۔

دینی پہلو: دینی مسئلہ اس طرح ہے کہ عربی کے بعد سب سے زیادہ اسلامی لٹریچر اُردو میں ہے، لیکن خطرناک حد تک اُردو فہمی آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر استعماری اور غیر استعماری سازش کے تحت یا پھر ہماری نادانی کے سبب اُردو زبان ختم ہو جاتی ہے تو ذرا سوچیے، ہماری آنے والی نسلوں کا کیا بنے گا؟ ماہرین کہہ رہے ہیں کہ اگر ہماری یہی روش رہی تو اُردو کا وجود بس ۲۰، ۲۵ سال کی کہانی ہے (یعنی اُردو یا نیم قسم کی اُردو بس بول چال کا ذریعہ رہ جائے گی، لکھنے پڑھنے اور برتنے کی چیز نہیں ہو گی)۔

ادب انسان کو اچھا انسان بنانے میں مددگار ہوتا ہے۔ مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے آنے والی نسلیں اُردو ادب سے کٹتی جا رہی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اُردو میں لکھے گئے نہایت قیمتی دینی، تہذیبی اور تاریخی لٹریچر سے بھی کٹ جائیں گی۔ یہ اندازہ لگانے کے لیے آدمی کا دانش ور ہونا ضروری نہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ایسی صورت حال نہیں ہے، لیکن غور کریں تو واقعی ہم اسی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسئلے کے سنگین ہونے سے پہلے اس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ''قرآن اور احادیثِ نبویؐ میں تو کسی خاص زبان کی ترویج کا حکم نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے کہ قرآن و حدیث نبویؐ میں ایسی کوئی صریح ہدایت نہیں ہے۔ البتہ، قرآن میں دو جگہ اس کی طرف اشارے ضرور ملتے ہیں: ایک تو سورۂ حٰم السجدہ کی آیت ۴۴ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (مشرکین کے اعتراض کے جواب میں) ''اگر ہم اس قرآن کو عجمی (زبان میں) بھیجتے تو یہ لوگ کہتے، کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عرب ہیں''۔ دوسری جگہ سورۂ ابراہیم کی آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ''ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے، تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے''۔ گویا کسی چیز یا موضوع کا ابلاغ متعلقہ لوگوں کی اپنی زبان میں ہی کما حقہٗ ممکن ہے۔ اجنبی زبان میں لوگوں کو صحیح طور پر نہیں سمجھایا جا سکتا۔

پاکستان میں اُردو کا نفاذ اسلام کی روح کے عین مطابق ہے، اور بدیسی زبان کا نفاذ اسلام کی روح کے بالکل منافی ہے۔ اب سوچ لیجیے کہ اگر قوم کے اوپر غیر ملکی زبان مسلط ہو، جس پر عبور رکھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہ ہوں، تو کیا اس قوم کے نوجوان مروجہ علوم و فنون پر بآسانی صحیح طور پر عبور حاصل کر سکیں گے؟ اپنی زبان کے خاتمے یا کم فہمی کی وجہ سے کیا یہ نوجوان اپنے تہذیبی ورثے سے جڑے رہ سکیں گے؟ اپنی زبان اور ادب سے بے بہرہ یہ نوجوان جب تعلیم و تدریس کے شعبے میں آئیں گے، تو کیا اپنے شاگردوں کو آسان زبان میں موضوع کو سمجھا سکیں گے، یا کسی مذاکرے میں اپنا مافی الضمیر سہل انداز میں پیش کر سکیں گے؟ کسی موضوع پر کوئی مضمون یا کتاب آسان اور عام فہم زبان میں لکھ سکیں گے؟ ایک حدیث نبویؐ کا مفہوم ہے کہ ''آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو'' (یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، بخاری،

حدیث ۶۱۹۲، کتاب الآداب)، اور جہاں انگریزی سمجھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہ ہوں، وہاں دفتری امور نمٹانا اور تعلیم حاصل کرنا انگریزی میں آسان ہو گا یا اُردو میں؟

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ۱۹۳۹ء کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے: ''اس وقت اُردو زبان کی حفاظت حسبِ استطاعت واجب ہو گی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سُستی کرنا معصیت اور موجبِ مواخذۂ آخرت ہو گا'' مگر اب تو اُردو کے لیے حالات اور بھی بدتر ہو گئے ہیں۔

سیاسی پہلو: اگر قومی، ملکی اور سیاسی تناظر میں دیکھا جائے تو ذرا سوچیے کہ دنیا میں آپ کسی ایک ملک کی بھی مثال نہیں دے سکتے ہیں، جس نے اپنی زبان چھوڑ کر کسی غیر ملکی زبان کو استعمال کر کے ترقی حاصل کی ہو؟ جاپان کے بارے میں تو یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ جب دوسری عالمگیر جنگ میں شکست کے بعد فاتح امریکا نے شہنشاہ جاپان سے پوچھا: 'مانگو کیا مانگتے ہو؟' تو دانا اور محبِّ وطن شہنشاہ نے جواب دیا: 'اپنے ملک میں اپنی زبان میں تعلیم'۔ اس لین دین کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ غرض جاپان، جرمنی، فرانس وغیرہ بلکہ دنیا کے جس ملک نے بھی ترقی کی ہے، اپنی زبان میں تعلیم دے کر ہی کی ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اگر غیر ملکی زبان میں تعلیم دی جائے تو طالب علم کی تقریباً ۵۰ فی صد توانائی (بعض اوقات تو ۷۰ اور ۸۰ فی صد) دوسری زبان سمجھنے پر خرچ ہوتی ہے اور بقیہ ۲۰ تا ۳۰ فی صد نفسِ مضمون پر۔

دوسری طرف یہ دیکھیے کہ میٹرک اور انٹر میں ہمارے طلبہ وطالبات کی اکثریت کس مضمون میں ناکام (فیل) ہوتی ہے؟ جواب واضح صورت میں سامنے آتا ہے کہ 'انگریزی میں'۔ پنجاب میں پچھلے ۲۰ سال کے نتائج کے مطابق میٹرک کے اوسطاً ۷۰ فی صد طلبہ انگریزی میں فیل ہوئے اور انٹر کے ۸۷ فی صد۔ ان طلبہ میں کافی تعداد ایسے نوجوانوں کی ہو سکتی ہے، جو انگریزی کے علاوہ دوسرے مضامین یا شعبوں میں اچھے ہوں اور آگے چل کر دوسرے شعبوں میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں۔ اس طرح ہماری قوم ہر سال معتد بہ تعداد میں اچھے اذہان سے محروم ہو جاتی ہے۔

معاشی پہلو: پاکستان میں اُردو کے نفاذ کا ایک معاشی پہلو یہ بھی ہے کہ ملک میں انگریزی سمجھنے والے دو چار فی صد سے زیادہ نہیں ہیں۔ یہ زبان (انگریزی) دراصل ہماری اشرافیہ یا 'گندمی انگریزوں' جرنیلوں اور نوکر شاہی کی زبان ہے۔ انگریزی ہی کی بدولت ان لوگوں کا اقتدار اور برتری قائم ہے۔ اگر اُردو پاکستان کی سرکاری زبان بن جاتی ہے، تو ان 'گندمی انگریزوں' اور ان کی آیندہ نسلوں کا اقتدار اور برتری ختم ہو جائے گی۔ اگر اُردو ہماری سرکاری زبان نہیں بنتی، تو غریب اور متوسط طبقے کے بچے کلرک، مزدور اور چپراسی ہی بنیں گے، چاہے وہ کتنے ہی ذہین کیوں نہ ہوں، اور کلیدی عہدے اور منصب بھی اسی مقتدر طبقے کے بچوں کا مقدر بنیں گے۔ سی ایس ایس کے امتحان اُردو میں نہ کروانے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امتحانی مراحل اور مصاحبوں (انٹرویو) میں وہی امیدوار کامیاب ہوتے ہیں جن کی انگریزی اچھی ہوتی ہے، چاہے نفسِ مضمون میں وہ کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

انگریزوں کی آمد سے قبل ہندستانی مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیا تھی؟ اس بارے میں ایک برطانوی اعلیٰ افسر جنرل ولیم ہنری سلیمین کے اپنی کتاب Rambles and Recollections of an Indian Official (۱۸۴۴ء) میں یہ الفاظ قابلِ توجہ ہیں: ''دنیا میں صرف چند قومیں ایسی ہوں گی جیسی کہ مسلمانانِ ہند ہیں اور جن میں تعلیم اعلیٰ پائے کی ہے اور سیر حاصل ہے۔ جس (بھی) آدمی کی تنخواہ ۲۰/- روپے ماہانہ ہے، وہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دیتا ہے، جیسی انگلستان کے وزیر اعظم کی ہوتی ہے۔ یہ افراد عربی، فارسی کے ذریعے، اس طرح کا علم حاصل کرتے ہیں جیسا ہمارے نوجوان یونانی اور لاطینی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ ان کا علم اسی پایہ کا ہوتا ہے، جس پایہ کا اوکسفرڈ کے فارغ التحصیل کا۔ یہ عالم بغیر کسی جھجک کے سقراط، ارسطو، افلاطون، جالینوس اور بو علی سینا کی تعلیمات پر گفتگو کرتا ہے۔ ہم میں سے بہترین یورپی بھی اعلیٰ

خاندان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے علمی لحاظ سے خود کو کم تر اور پست محسوس کرتے ہیں، بالخصوص جب کوئی سنجیدہ علمی گفتگو ہو"۔

اسی طرح لارڈ میکالے، رکن قانون ساز گورنر جنرل کونسل کے ۲ فروری ۱۸۳۵ء کو برطانوی پارلیمنٹ سے خطاب کا درج ذیل اقتباس دیکھیے: "میں نے ہندستان کا مکمل دورہ کیا ہے۔ میں نے یہاں نہ کسی کو بھکاری دیکھا ہے اور نہ چور۔ میں نے اس ملک میں اس قدر فارغ البالی، ثروت، اخلاقی اقدار اور نہایت اعلیٰ ظرف کے لوگ دیکھے ہیں کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم اس ملک کو اس وقت تک فتح کر سکتے ہیں جب تک اس قوم کی کمرِ ہمت کو شکستہ نہیں کر دیں، جو دراصل اس کا ثقافتی اور روحانی ورثہ ہے۔ چنانچہ میری تجویز ہے کہ ہم ان کے قدیم نظامِ تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کر دیں تاکہ ہندستانیوں کو یہ یقین ہو جائے کہ جو کچھ باہر سے آ رہا ہے اور انگلستانی ہے وہ مستحسن و عظیم ہے بہ نسبت ان کے اپنے ثقافتی نظام کے۔ اس طرح ان کی عزتِ نفس ختم ہو جائے گی، ان کی ثقافت ماضی کی داستان بن کر رہ جائے گی، اور وہ وہی ہو جائیں گے جو ہم اُنھیں بنانا چاہتے ہیں، ایک صحیح طرح سے مغلوب قوم...."۔

چنانچہ انگریزوں کی آمد کے بعد، اس طرزِ تعلیم میں قطع و برید کی گئی۔ سب سے پہلے علمِ دین کو خارج کیا گیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ دیگر اجزائے علم اور عربی و فارسی کو عام تعلیم سے خارج کیا گیا، آخر کار طالب علم، علم کے لحاظ سے ناقص، اور صرف سرکاری ملازمت اور اہل کار ہونے کے قابل رہ گئے، تابع فرمان ملازم!

معاشرتی پہلو: اُردو اپنے حق کے مطابق اگر رواج نہیں پا سکی ہے تو اس کا ایک معاشرتی نقصان یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کی انگریزی اچھی نہ ہو وہ انگریزی جاننے والوں سے عموماً خود کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں اور نتیجتاً اپنی قوتِ کار کو گھٹا لیتے ہیں۔ دوسری طرف انگریزی جاننے اور اس کو اُوڑھنا بچھونا بنا لینے والے خواہ مخواہ احساسِ برتری کا شکار ہو کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی علمیت کا رُعب جھاڑنا ان کی پختہ عادت بن جاتی ہے، اور وہ اپنی زبان بھی بگاڑ لیتے ہیں۔

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں ۳۰ سال تک تمام مضامین اُردو میں پڑھائے جاتے رہے۔ جن دنوں نام نہاد اسرائیل والے اپنی مُردہ عبرانی زبان کو زندہ کر رہے تھے، ان دنوں ہمارے ہاں تمام تر اعلیٰ سائنسی مضامین بہ شمول ایم بی بی ایس، بی ای (انجینیرنگ)، طبیعیات، کیمیا وغیرہ، الغرض ایک مضمون انگریزی کے سوا تمام مضامین اُردو میں پڑھائے جا رہے تھے۔ یہ سلسلہ سقوطِ حیدر آباد تک جاری رہا اور پھر وہاں اُردو ذریعۂ تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل ڈاکٹروں کی اپنے مضمون پر گرفت اتنی مضبوط تھی کہ برطانیہ میں ایف آر سی ایس وغیرہ کے داخلہ ٹیسٹ سے ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ دراصل تخلیقی قوت اپنی ہی زبان سے آتی ہے۔

دوسری طرف آزادی کے بعد پڑوسی مشرک ملک میں جب اسمبلی میں سرکاری زبان کے لیے رائے شماری ہوئی تو اُردو اور ہندی کے ووٹ بالکل برابر ہو گئے۔ اس کے بعد اسپیکر کے فیصلہ کن ووٹ سے ہندی سرکاری زبان بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ ہر سال اپنی مُردہ زبان سنسکرت کے کچھ الفاظ منتخب کر لیتے ہیں اور پھر میڈیا اور دوسرے ذرائع ان مُردہ الفاظ کو عام کرتے ہیں۔

آپ نے کسی انگریز یا امریکی کو انگلستان یا امریکا میں نمبر (اعداد) اُردو میں بتاتے ہوئے یا اپنی گفتگو میں جابجا اُردو الفاظ استعمال کرتے ہوئے دیکھا یا سنا ہے؟ یقیناً نہیں سُنا ہو گا، مگر افسوس کہ ہمارے ہاں معاملہ بالکل اُلٹ ہو چکا ہے۔ نئی نسل تو ایک طرف خود بڑے بھی، اُردو اعداد (۱، ۲، ۳، ۴) لکھنے کے بجائے رومن یا انگریزی اعداد (4,3,2,1) لکھنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ یہاں پر تین واقعات ملاحظہ کیجیے:

ایک معالجِ امراضِ ذہنی ڈاکٹر سیّد مبین اختر کہتے ہیں: انھوں نے ایسے انگریزی میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کی جہاں پڑھانے والے بھی انگریز تھے، اگر غلطی سے کوئی اُردو کا لفظ زبان سے نکل جاتا تو بہت شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی۔ پھر انٹر میں بھی ذریعۂ تعلیم انگریزی ہی تھی۔ ایم بی بی ایس تو وہاں تھا ہی انگریزی میں۔ اس کے بعد وہ تخصص کے لیے امریکا چلے گئے۔ وہاں پڑوسی ملک میکسیکو (جو کہ امریکا کے

بالکل ساتھ واقع ہے) سے بھی ڈاکٹر اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا آئے ہوئے تھے۔ ان ڈاکٹروں کو انگریزی بالکل نہیں آتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی انگریزی دانی پر بہت خوش تھے کہ انھیں انگریزی آتی ہے اور وہ گورے امریکیوں کے شانہ بشانہ ہیں، جب کہ میکسیکو کے ڈاکٹروں کو انگریزی نہیں آتی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے چھے ماہ کے اندر میکسیکو کے ڈاکٹروں نے انگریزی میں اتنی استعداد پیدا کرلی کہ اپنا کام بخوبی چلانے لگے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ پھر مجھے بڑا افسوس ہوا کہ جو کام میں چھے مہینے کی محنت سے کر سکتا تھا، اس کے لیے میں نے اپنے آپ کو اپنے تہذیبی ورثے، اقبالؔ، غالبؔ، میرؔ، اکبرؔ الٰہ آبادی وغیرہ سے کاٹ لیا تھا کہ اتنی انگریزی پڑھنے کے باوجود انگریزی کی نسبت اُردو میں اظہارِ خیال کرنا زیادہ آسان ہے کیونکہ اُردو میری اپنی زبان ہے۔

دوسرا واقعہ انگلستان کے ایک وزیر تعلیم کے دورۂ پاکستان کا ہے۔ ہمارے ’گندمی انگریزوں‘ نے انھیں اپنے انگریزی میڈیم اسکولوں کا دورہ کرایا۔ دورے کے بعد ان سے پاکستانی بچوں کو انگریزی میں تعلیم دیے جانے پر ان کے تاثرات پوچھے گئے۔ ہمارے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ گورے صاحب اس بات سے بہت خوش ہوں گے، لیکن انھوں نے جواب دیا: ’’اگر میں اپنے ملک میں ایسا کرتا کہ کسی غیر ملکی زبان میں طلبہ کو تعلیم دلواتا، تو دو جگہوں میں سے ایک جگہ مجھے ضرور جانا پڑتا: پھانسی گھاٹ یا پھر پاگل خانے‘‘۔ بقول ان کے دوسری زبان میں تعلیم دینے سے بچے کی ذہانت اور تخلیقی صلاحیتیں بُری طرح کچلی جاتی ہیں۔

اسی طرح فرض کریں، آپ اپنے دوست کے ساتھ جارہے ہیں، آپ کی جیب میں ۲۳۰ روپے ہیں۔ راستے میں آپ کوئی چیز خریدنا چاہتے ہیں جس کی قیمت ۲۴۰ روپے ہے۔ اب اگر آپ دوست سے دس روپے قرض لیتے ہیں تو کیا یہ مناسب ہوگا؟ آپ کہیں گے کہ اس میں کوئی بُرائی نہیں، اور فی الواقع اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ اب ذرا معاملے کو دوسری طرح دیکھیے کہ آپ کو جو چیز خریدنی ہے اس کی قیمت صرف دس روپے ہے۔ جیب میں ۲۳۰ روپے رکھتے ہوئے بھی اگر آپ دوست سے دس روپے مانگیں تو کیا یہ کوئی معقول بات ہوگی؟ یقیناً نہیں۔

زبان کے مسئلے کو بھی اسی طرح دیکھیے۔ جو الفاظ ہماری اپنی زبان میں ہیں، ان کی جگہ ہمیں دوسری زبان کے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہییں۔ غلط اور بلاضرورت ’لسانی قرض‘ بھی کچھ ایسے ہی منفی اثر ڈالتے ہیں، جیسا کہ مالیاتی قرضے کمر توڑتے ہیں۔ بلکہ سچ بات یہ ہے کہ مالی قرض تو واپس ہوسکتا ہے، لیکن لسانی اور تہذیبی قرض کا بوجھ واپس نہیں کیا جاسکتا۔

آئینی پہلو: پاکستان میں اُردو کا نفاذ سیاسی ہی نہیں ایک اہم دستوری اور آئینی پہلو سے بھی ہے۔ پاکستان کے ہر آئین میں اُردو کے نفاذ کی ضمانت دی گئی ہے۔ آئین کسی قوم اور ملک کی نہایت اہم اور مقدس دستاویز ہوتی ہے جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دفعہ ۲۵۱(۱) میں یہ الفاظ اُردو کے نفاذ کی ضمانت دیتے ہیں:

پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور یومِ آغاز سے [یعنی اگست ۱۹۷۳ء] ۱۵ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

تحریکِ پاکستان کی بنیاد میں دو چیزیں تھیں: ایک اسلام اور دوسری اُردو زبان، کیوں کہ ہندو اکثریت ان دونوں کے درپے تھی۔ آج خلفشار کے اس دور میں بھی یہی دو چیزیں پاکستان کو متحد رکھ سکتی ہیں۔ اُردو کے مخالف جب اُردو پر یہ غلط اور بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں کہ اُردو میں سائنسی مضامین نہیں پڑھائے جاسکتے حالانکہ لگ بھگ ۳۰ برس تک جامعہ عثمانیہ اور انجینیرنگ کالج رڑکی اور دیگر جگہوں پر اعلیٰ ترین سائنسی مضامین بشمول ایم بی بی ایس، بی ای، اُردو میں پڑھائے جاتے رہے ہیں۔ جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ اُردو سرکاری یا دفتری زبان نہیں بن سکتی، تو حیدرآباد دکن کا ذکر تو چھوڑیے جہاں سرکاری دفاتر میں تمام کام اُردو میں ہوتا تھا، موجودہ دور میں مقتدرہ قومی زبان جیسا باوقار قومی ادارہ اُردو کو دفتری زبان بنانے کے لیے گذشتہ کئی عشروں سے تیار بیٹھا ہے۔ یہ ادارہ کہتا ہے کہ بس حکم کی دیر ہے، اُردو زبان نافذ ہونے کے لیے بالکل تیار ہے۔ اُردو، جدید اطلاعاتی دور کے

شانہ بشانہ چلنے کی بھی اہلیت رکھتی ہے۔ اُردو کے بہی خواہوں کے لیے خوش خبری یہ ہے کہ 'سافٹ ویئر' ماہرین نے اب اِن پیج ایپلی کیشن کو 'مائکروسافٹ ورڈ' اور 'ایکسل' کے ساتھ جوڑ کر اُردو میں کام کرنا بہت آسان بنادیا ہے، نیز 'اِن پیج' کا مواد یونی کوڈ میں تبدیل کرنا ممکن ہے جس کے بعد اُردو مواد کو انٹرنیٹ کے ذریعے برق رفتاری سے ارسال کیا جاسکتا ہے (اس سلسلے میں ایک ویب سائٹ www.urdu.ca سے کلیدی مدد لی جاسکتی ہے)۔

صوبائی زبانوں کے لیے اہمیت: پاکستان میں پنجابی، سندھی، بلوچی اور پشتو وغیرہ سب زبانیں ہماری اپنی زبانیں ہیں۔ پاکستان کا دستور بھی دفعہ ۲۵۱(۳) کے تحت انھیں ان الفاظ میں تحفظ دیتا ہے: "قومی زبان کی حیثیت کو متاثر کیے بغیر، کوئی صوبائی اسمبلی قانون کے ذریعے قومی زبان کے علاوہ کسی صوبائی زبان کی تعلیم، ترقی اور اس کے استعمال کے لیے اقدامات تجویز کرسکے گی"۔

ملک میں اس وقت اہمیت کے لحاظ سے انگریزی پہلے درجے پر ہے، اُردو دوسرے اور صوبائی زبانیں تیسرے درجے پر۔ جب اُردو سرکاری زبان بن جائے گی تو اہمیت کے لحاظ سے اُردو پہلے درجے پر آجائے گی، صوبائی زبانیں بہ لحاظ اہمیت تیسرے سے دوسرے درجے پر آجائیں گی، یعنی اُردو کا نفاذ ہماری علاقائی زبانوں کے تحفظ اور ترقی میں بھی ممدومعاون ہوگا۔

انگریزی کا مقام: ہم نے انگریزی (بمقابلہ اُردو) کے لیے جو کچھ کہا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انگریزی کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ہم انگریزی سے قطع تعلق کرلیں۔ فی زمانہ انگریزی سائنس اور ٹکنالوجی کی زبان ہے، لہٰذا ترقی کے لیے ہمیں انگریزی سیکھنی ہوگی۔ لیکن ہم جس چیز کے مخالف ہیں وہ صرف یہ ہے کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم ہو اور انگریزی ہی سرکاری زبان ہو۔ ہم انگریزی کے بطور مضمون پڑھائے جانے کے مخالف نہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم کے لیے اصل کتب کے اُردو تراجم ہونے چاہییں۔ لیکن یہ کام سرکاری سرپرستی چاہتا ہے۔ یاد رکھیے! ہمارے بعد جو لوگ آرہے ہیں وہ اس مسئلے کی اہمیت کو بالکل نہیں جانتے۔ یعنی یہ کام اگر ہم نے کرلیا یا کرانے کی کوشش کرتے رہے تو ٹھیک، ورنہ بعد میں یہ کام اور زیادہ مشکل ہو جائے گا اور وقت نکل جائے گا، جو ابھی ہمارے پاس ہے۔ ذرا سوچیے ہمارا ملک ایک ایسے ملک کے طور پر شناخت کیا جائے گا جس کی زمین، فصلیں، ثقافت، لباس، غذائیں تو اپنی ہوں گی لیکن زبان اپنی نہیں ہوگی۔

اگر آپ کو پاکستان سے محبت ہے تو آپ پاکستان کی قومی زبان اُردو کے تحفظ اور ترقی کے لیے کام کریں۔ آپ کا یہ قدم قوم کی ترقی اور استحکام کا بنیادی قدم ہوگا۔ اس اقدام سے استحصالی نظام کی گرفت بھی کمزور ہوگی، اور ان شاء اللہ اپنے ربّ کے ہاں آپ کو اجر بھی ملے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ آپ اپنا ۱۰۰ فی صد وقت اُردو کے نفاذ کے لیے وقف کردیں۔ نہیں، بلکہ ہمیں اُردو کے نفاذ کی کوششوں کے لیے اپنا ۵۰ فی صد یا ۲۵ فی صد بلکہ ۱۰ فی صد وقت بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایک فی صد وقت تو اس کام کا حق بنتا ہے۔ یہ بھی دین اور ملک کی اہم خدمت ہے، بلکہ ایسی خدمت جو اہم ہونے کے باوجود توجہ سے محروم ہے۔

نفاذِ اُردو: کرنے کے کام

اللہ تعالیٰ سے باقاعدہ دعا کی جائے کہ نفاذِ اُردو کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

اُردو کے نفاذ کی تنظیمیں متحد اور منظم ہو کر اور اشتراکِ عمل سے کام کریں۔

دستخط انسان کی پہچان ہوتے ہیں، ہمیں اپنے دستخط اُردو میں کرنے چاہییں۔

اپنے اور اپنے اداروں کے تعارفی کارڈ (وزیٹنگ کارڈ) اُردو میں چھپوانے چاہییں۔

اپنے چیک اُردو ہندسوں میں لکھیں۔ بنک ایسے چیک قبول کریں گے۔

ہمیں دعوت نامے مادری یا قومی زبان میں چھپوانے چاہییں۔

اپنے موبائل فون کی ترتیب اُردو میں رکھنی چاہیے اور مختصر پیغام بھی اُردو میں کرنے چاہییں۔

دفاتر اور کاروباری اداروں کو اپنے دفتری اور جملہ اُمور اُردو ہی میں نمٹانے چاہییں۔

اپنی دکانوں اور دفاتر کے سائن بورڈ اُردو (یا انگریزی کے ساتھ اُردو) میں لکھوانے چاہییں۔

حسبِ استطاعت اپنے مال کا ایک حصہ نفاذِ اُردو کے لیے وقف کرنا چاہیے۔

اہل خانہ، دوستوں، پڑوسیوں اور دفتر کے ساتھیوں کو اُردو کے نفاذ کی اہمیت سے آگاہ کریں۔

ان اُمور پر عمل کرنے سے ہمارا قدم آگے بڑھے گا۔

ایک حدیثِ نبویؐ کا مفہوم ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے لاتعلق رہا، وہ ہم میں سے نہیں۔ یاد رکھیے، اُردو کے نفاذ کا مسئلہ محض ایک زبان کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک دینی، قومی، ملکی، معاشی اور معاشرتی مسئلہ ہے۔ خدانخواستہ ایک دو نسلوں بعد اُردو (بطور زبان) مٹ گئی، تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ بھی ہوں گے جو نہ جاننے یا جاننے کے باوجود اپنی مصروفیات میں سے وقت نہ نکال سکے۔ کیا ہم اس اہم مسئلے کے لیے اپنے وقت کا ایک فی صد بھی نہیں نکال سکتے؟

بشکریہ: ماہنامہ ترجمان القرآن | دسمبر ۲۰۲۳ | پاکستانیات

نفاذ قومی زبان تحریک پاکستان کا نامکمل ایجنڈا ہے۔

عالیہ بٹ

عطاء الرحمٰن چوہان، صدر تحریک نفاذ اردو پاکستان سے گفتگو،
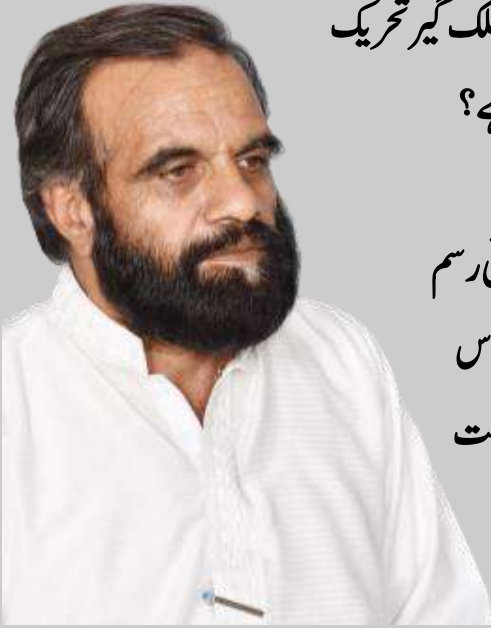
تحریک نفاذ اردو پاکستان ایک مدت سے قومی زبان کے نفاذ کے لیے کوشاں ہے، کیا آپ ہمیں بتائیں گئے کہ یہ کام اتنا اہم کیوں ہے کہ اس کے لیے ایک ملک گیر تحریک برپا کی گئی اور ہر طرف سے نفاذ قومی زبان کا بار بار مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟

قومی زبان ہماری صرف پہچان ہی نہیں بلکہ ہماری تہذیبی اقدار، معاشرتی رسم ورواج، تعلیمی بنیادیں اور دینی تعلیمات سب کا سرچشمہ یہی زباب ہے۔ اس لیے ہم قومی زبان کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، جو دراصل آزادی کی علامت خود مختاری کی نشانی ہے۔ جب تک ایک غیر ملکی زبان ہم پر مسلط ہے، ہم غلام ہی سمجھے جائیں گے کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں، جس کا نظام مملکت، نظام تعلیم اور عمومی زندگی میں کسی غیر ملکی زبان کا سہارا لیا جاتا ہو۔
یہ بدقسمتی صرف ہمارے حصے میں آئی ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود مقتدر قوتوں نے ہمیں انگریزی کی زنجیر سے جکڑ رکھا ہے۔ نہ ہمارے بچے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور نہ کچھ پڑھ لکھ جانے والے بچے علم حاصل کر پاتے ہیں۔ ڈگریاں سمیٹ کر جہالت کی تصویر بنے ٹائی کوٹ پہنچے یہ بے ہنر بھٹک رہے ہیں۔
قائداعظمؒ نے اسی وجہ سے کہا تھا کہ اگر ہم نے ترقی کرنی ہے تو ہمیں ایک زبان کو اختیار کرنا ہو گا اور وہ میری نظر میں اردو، اردو اور صرف اردو ہے۔ آپ ہی کے بقول یہ تحریک پاکستان کا نامکمل ایجنڈا ہے، جب تک یہ منزل حاصل نہیں ہوتی ہم عملاً آزاد نہیں ہو سکتے۔ بلا غیر ملکی زبان اور تہذیب میں جکڑے ہوئی قوم کو کون آزاد کہہ سکتا ہے۔ ایسے جاہل صرف غلام ہی ہوتے ہیں جو اپنی زبان اور اپنا لباس ترک کر کے غیروں کی پیروی کرنے لگیں۔ اس بھری دنیا میں ہمارے علاوہ ایسا بدقسمت اور کوئی نظر نہیں آتا۔

انگلش میڈیم تعلیم یا تباہی

ارشد سعید

ہمارے گاؤں کے پرائمری سکول میں کمرے تو دو ہی تھے۔ چار دیواری تھی نہیں، جب بنی تو اس پر کسی مقامی فنکار سے خطاطی کروائی گئی۔ خودی کو بلند کروانے والے علامہ اقبال کے اشعار کے ساتھ ایک حدیث بھی درج تھی کہ علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے۔

چین تو بہت دور تھا۔ اس لیے پڑھنے کے لیے لاہور آنا پڑا۔ گاؤں کے کسانوں کو بھی کسی نے یقین دلایا تھا کہ بچوں کو پیٹ کاٹ کر بھی پڑھانا پڑے تو پڑھاؤ۔

تعلیم کی کمی کو تب بھی اور اب بھی سارے مسائل کا حل سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان کی پسماندگی، فرقہ پرستی، دہشت گردی سب کا علاج تعلیم ہی سمجھا جاتا ہے۔

ہر سیانا سب سے پہلے یہ بتاتا ہے کہ کتنے کروڑ بچے کبھی سکول گئے ہی نہیں۔ گھومتے پھرتے، کچی پکی تعلیم حاصل کر کے مجھے تعلیم کے فوائد پر کچھ شک سا ہونے لگا ہے۔

مغربی ملکوں میں بنیادی تعلیم لازمی ہے۔ بچہ سکول نہ جائے تو سرکاری ہرکارے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ مغربی ملکوں کے حکمران بھی زیادہ تر بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے ڈگریاں لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ تعلیم ہے جس نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔

غزہ میں ہوتا قتل عام اپنے موبائل فونوں پر روز دیکھتے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں کہ ابھی پیسے پوری نہیں ہوئے، جاری رکھو۔ جنوبی ایشیا میں بھی سب سے پڑھا لکھا ملک سری لنکا ہے۔ وہاں تیس سال تک ایسی وحشیانہ خانہ جنگی چلی اور اس کا انجام اس بربریت سے ہوا کہ لوگ پوچھنے لگے کہ ان کو پتہ نہیں سکولوں میں کیا پڑھاتے ہیں۔

لاہور پڑھنے آئے تھے لیکن زیادہ تر وقت بتیاں دیکھتے ہی گزارا۔ مال روڑ پر گشت کرتے تھے۔ ایک گورنر ہاؤس تھا جس کی دیوار ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ اور اس کے بعد ایچی سن کالج جہاں پر بڑی بڑی گاڑیوں سے اونچے شملوں والے پیو بچے نکلتے ہوئے کبھی کبھی نظر آتے تھے۔

پھر پتا چلا کہ کالج کے اندر گھڑ سواری بھی ہوتی ہے۔ پہلے خیال یہی آیا کہ اگر یہ تعلیم ہے تو پھر ہم گورنمنٹ پرائمری سکول میں کیا کر رہے تھے۔

ادھر اس عمر کے بچے جنھیں شاید ابھی بوٹ کے تسمے باندھنے بھی نہیں آئے تھے وہ شاہسوار بن گئے تھے۔ ہمارے سکول میں تفریح کے پیریئڈ میں ہیڈ ماسٹر صاحب کی بھینس کے لیے چارہ کاٹنے اور زیادہ گرمی والے دن اسے نہلانا ہی ہماری کردار سازی کا واحد ذریعہ تھا۔

جس عمر میں ہم علامہ اقبال کی نظموں کو رٹا لگا رہے تھے ہماری عمر کے بچے فر فر شیکسپیئر سنا رہے تھے۔ تعلیم کا اور مہنگی تعلیم کا ایک ہی مقصد سمجھ آیا کہ بچے پر کسی مقامی زبان کا یا ثقافت کا اثر نہ ہونے پائے۔

ایچی سن اور اس جیسے دوسرے تعلیمی اداروں کی دیواریں اسی لیے اتنی بلند نہیں ہیں کہ ہم ان بچوں کو دیکھ کر حسد نہ کریں بلکہ اس لیے ہیں کہ بچے کہیں پسینے کی بو میں رواں دواں پاکستان نہ دیکھ لیں۔

جتنا سکول میں داخلہ مشکل ہو گا، جتنی فیس زیادہ ہو گی، تعلیم اتنی ہی معیاری سمجھی جائے گی۔ ایچی سن کے وارث آپس میں تو تو میں میں ہو گئے تو عوام نے چار دن مزہ لیا۔

کسی نے جوش میں آکر یہ بھی کہہ دیا کہ یہ کالج انگریزوں کی دین ہے، اسے بند کرو اور زمین بیچ کر باقی عوام کے لیے معیاری سکول کھولو۔

لیکن اس تعلیم کا اصلی فائدہ یہ نہیں ہے کہ ایچی سن کالج سے کتنے بچے پڑھے بلکہ یہ کہ کوئی عام انسان اور اس کا بچہ گیٹ پار کر کے گھڑ سواری بھی نہیں دیکھ سکتا۔

دنیا میں بڑے بڑے مہنگے سکولوں کی بھی بس چلتی ہے لیکن پاکستان کے کسی بڑے پرائیویٹ سکول کے باہر آپ بس نہیں دیکھیں گے۔ اگر سکول میں چار سو طالب علم ہیں تو صبح اور پھر چھٹی کے وقت چار سو گاڑیاں موجود ہوں گی۔ بعض بچوں کے ساتھ چار مسلح گارڈ بھی ہوں گے۔

اگر بچے کو آٹھ، دس سال کی عمر میں یہ تعلیم دی جائے کہ بیٹا تم اتنے خاص ہو کہ اپنے پگ والے باقی طالب علموں کے ساتھ بس میں بیٹھنا بھی تمھاری شان کے خلاف ہے تو وہ بچہ بڑا ہو کر جھنڈے والی گاڑی نہ مانگے تو کیا کرے۔

کوئی بیس سال پہلے میرے گاؤں میں ایک چھوٹے سے مکان میں سستا سا پرائیویٹ سکول کھلا۔ میں نے کہا نہیں چلے گا، گورنمنٹ کا سکول موجود ہے۔ جس کو مہنگی تعلیم کا شوق ہے وہ شہر چلا جائے گا۔

لیکن میں نے اسی سکول میں دیکھا کہ لوگ بچوں کو سکول کی یونیفارم پہنا کر کھوتی ریڑی پر سے اتار رہے ہیں۔ آخری گنتی کے مطابق اب میرے گاؤں میں چھ پرائیویٹ سکول ہیں۔ کیونکہ تعلیم حاصل کرو چاہے تمھیں بچوں کو فیری جوائے انٹرنیشنل سکول (ایئر کنڈیشن) ہی کیوں نہ بھیجنا پڑے۔

ارشد سعید

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے---ثمینہ کوکب

حیرت ہوئی یہ بات پڑھ کر کہ ہماری قومی زبان اردو نہیں ہے۔ یہ اس بات کی غمازی ہے کہ ہم اپنے آپ کو وہ وقعت نہیں دیتے جو ہماری ہے۔ اپنے اور اعتماد نہیں۔ ہم خود اپاہج ہیں اور ہمیں انگریزی کی بیساکھی چاہیے کہ ہم چل سکیں۔ کبھی وقت تھا کہ داغ صاحب یہ فرما رہے تھے کہ

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ۔

ہندوستان میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔

کوئی بات نہیں اردو کو سمجھنے اور جاننے وال لوگ بھی بہت ہیں۔ اور عملی کوششیں اس کو مزید مضبوط بنائے گی۔

ایک بہن نے عربی زبان پر عبور کی بھی بات کی۔ اس پر بھی اچھی خاصی تحریر لکھی جاسکتی ہے۔ اور دینی کتب اردو میں ترجمہ ہو سکتی ہیں۔

باذوق لوگوں کی کمی نہیں اردو ہی میں تخلیقات کو بڑھایا جائے تو خاطر خواہ نتائج بر آمد کئے جاسکتے ہیں۔

اردو میں افسانہ اور مختصر کہانی پر زیادہ کام کیا جائے تو طلباء و طالبات کو کور کیا جاسکتا ہے۔ لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور میری تان اس کے حل پر ٹوٹی۔

بس اتنا ہی کہوں گی کہ:

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں۔

پاکستان سے پیار اگر ہے، اردو سے بھی پیار کریں

ام ابراہیم

زبان تہذیب و ثقافت، سماج اور انسانی افکار کا آئینہ ہوتی ہیں۔ اردو زبان بھی پاکستانی تہذیب اور سماج کا وہ روشن آئینہ ہے جس میں خلوص و محبت، شرافت و وضع داری، احترام اور اعلیٰ انسانی قدروں کا عکس صاف صاف نظر آتا ہے۔ اردو وہ زبان ہے جو محبت کرنا سکھاتی ہے، اردو دلوں کو جوڑتی ہے، اردو فکر کے راستے کشادہ کر کے اعلیٰ ظرف بناتی ہے۔ اسی لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

"سینکڑوں اور بھی دنیا میں زبانیں ہیں مگر
جس پہ مرتی ہے فصاحت وہ زباں ہے اردو"

ہمارا پیارا وطن پاکستان ہماری پہچان ہے، ہم دنیا کے کسی بھی خطے میں چلے جائیں ہماری پہچان اسی سے ہے، اور ہم پاکستانی مسلمان ہی کہلائیں گے۔ وطن عزیز پاکستان کی صورت میں اللہ نے جو نعمت ہمیں دی ہے اس کا زبان سے شکر ادا کرنا اور عملی طور پر شکرانے کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ کسی بھی پاکستانی سے پوچھا جائے کہ کیا آپ کو اپنے وطن سے محبت ہے؟ تو یقیناً اس کا جواب ہاں میں ہو گا۔ کوئی قوم جتنی بھی محب وطن نہ ہو، تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی جب تک اس نے اپنی زبان کو ہر شعبہ میں ذریعہ اظہار نہیں بنایا۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا تھا: "میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی، اور صرف اردو، اور اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو گی۔ دیگر اقوام کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اور کام کر سکتی ہے، پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے وہ صرف اور صرف اردو ہی ہو گی۔"

دستور پاکستان کے آرٹیکل 251 کے مطابق پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، اور یوم آغاز سے 15 برس کے اندر اندر اس کو سرکاری اور دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جانے چاہیے تھے۔ مگر دل بہت بھاری ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں، ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اب تک اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا جا سکا؟ آخر کب تک ہم انگریزی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں گے؟

اردو کو سرکاری اور دفتری زبان کے لحاظ سے مکمل طور پر نافذ کرنا پاکستان کے بیس، بائیس کروڑ عوام کا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جمہوری اور قانونی استحقاق بھی ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہاں تو عوام ہی انگریزی کے عشق میں مبتلا نظر آتی ہے۔ اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان سیکھنا جرم اور گناہ تو نہیں ہے، مگر اپنی زبان کا ترک ایسا جرم عظیم ہے جو پوری قوم کو تنزل میں دھکیل دیتا ہے۔ دنیا میں کتنے چھوٹے بڑے ایسے ملک ہیں جنھوں نے انگریزی کا سہارا تک نہیں لیا، ترقی بھی ہم سے زیادہ کی اور اپنی زبان کا دامن مضبوطی سے تھاما ہوا ہے۔ یہ کامیابی کا راز ہے کہ کسی بھی دوسری زبان کی تحصیل بطور ثانوی زبان ہونی چاہیے اور بطور ثانوی زبان ہی اسے اہمیت دینی چاہیے جبکہ اپنی زبان کو اولین حیثیت دینی چاہیے۔ قومی زبان کا یہ حق ہے کہ پوری قوم اسے بالاتفاق ذریعہ اظہار بنائے اور سرکاری سطح سے اسے ہر شعبے میں نافذ کروایا جائے مگر ہمارے ہاں بد قسمتی سے یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں۔ قوم مقامی زبانوں کی ترویج و اشاعت کا رونا روتی رہتی ہے اور حکومتی سطح پر انگریزی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ محب وطن ہونے کے ناطے ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اردو زبان ہماری قومی زبان ہونے

کے ساتھ ساتھ ہماری شناخت اور پہچان ہے اس کے بغیر ہماری پہچان نامکمل ہے۔ پاکستان بنا تو نئی قوم کی شناخت میں ایک تو اسلام آ گیا اور دوسری اردو زبان۔ جب ہم ہندوستان سے الگ ہوئے تو پھر ہم نے اپنی الگ شناخت بنانے کے لیے کچھ علامتوں کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اردو زبان بھی انہی علامتوں میں سے ایک تھی جس نے پاکستانی قوم کو ہندوستانی قوم سے الگ شناخت دی۔ خدارا! اپنی شناخت کو مکمل کریں۔ اردو زبان سے پیار کریں اور اسے دل سے اپنائیں۔ پاکستان سے پیار کا عملی مظاہرہ ایک یہ بھی ہے کہ اردو کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں اور اپنے بچوں کو سکھانے میں جھجک نہیں بلکہ فخر محسوس کیا کریں۔ یہ محبت کی زبان ہے اس سے محبت کریں۔ میں پاکستان کے تمام طلباء و طالبات اور پاکستان کی ماؤں کو جو کہ ہمارا مستقبل سنوارتی ہیں سب سے بس یہی درخواست کرتی ہوں کہ اپنی زبان و تہذیب کی حفاظت اور ترقی ہمارا فرض ہے، اسی لیے اردو پڑھیں اور پڑھائیں، اردو لکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں تاکہ یہ میٹھی میٹھی زبان ہمیشہ زندہ رہے۔ آمین

ہم بھی زبان رکھتے ہیں----

ام محمد عبداللہ

چینی صدر کے سامنے جب انگریزی میں سپاس نامہ پیش کیا گیا تو انہوں نے وہ تاریخی جملہ بولا جو آج ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر گیا ہے۔

ان کے الفاظ تھے "چین ابھی گونگا نہیں ہوا۔" سچی بات تو یہ ہے کہ پاکستان بھی اپنی زبان رکھتا ہے اور کسی غیر زبان کا محتاج نہیں۔

1948ء میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے اردو زبان کو قومی زبان قرار دیتے ہوئے حکم جاری فرمایا کہ پندرہ سال کے اندر اندر اردو کو ہر شعبۂ زندگی میں انگریزی کی جگہ نافذ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی بھی قوم کی ترقی وخود مختاری اور اتحاد کے لیے ایک مشترکہ قومی زبان ضروری ہوتی ہے۔ اردو برصغیر کی واحد زبان ہے جو نہ صرف پاکستان، بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

اردو زبان کی خوبی کا اندازہ لگائیے کہ 1999ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس کے مجموعی بولنے والوں کی تعداد دس کروڑ ساٹھ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ اس لحاظ سے یہ دنیا کی نویں بڑی زبان ہے۔ اردو زبان دنیا کی نئی زبانوں میں سے ہونے کے باوجود اپنے پاس معیاری اور وسیع ذخیرہ ادب رکھتی ہے۔ خاص کر جنوبی ایشیائی زبانوں میں اردو اپنی شاعری کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔ اُردو کے اصل بولنے والے افراد کی تعداد 60 سے 80 ملین ہے۔ ایس۔ آئی۔ ایل نژادیہ کے 1999ء کی شماریات کے مطابق اُردو اور ہندی دُنیا میں پانچویں سب سے زیادہ بولی جانی والی زبان ہے۔ لینگویج ٹوڈے میں جارج ویبر کے مقالے: 'دُنیا کی دس بڑی زبانیں' میں چینی زبانوں، انگریزی اور ہسپانوی زبان کے بعد اُردو اور ہندی دُنیا میں سب سے زیادہ بولے جانی والی چوتھی زبان ہے۔ اِسے دُنیا کی کل آبادی کا 4.7 فیصد افراد بولتے ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے، پاکستانیوں کی 7.57٪ آبادی کی مادری زبان اردو ہے، لیکن تعلیمی سطح پر، ذرائع ابلاغ میں اور تجارتی لین دین میں اردو کا ہی استعمال کیا جاتا ہے اس طرح اردو بولنے والوں اور سمجھنے والوں کی اکثریت ہے۔ یہ اپنے آپ میں ملک کے دینی، ثقافتی اور سماجی ورثے کے ایک وسیع ذخیرے کی حامل ہے۔

بات کرنے کا حسین طور طریقہ سیکھا
ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

ایسی شاندار زبان کے وارث ہوتے ہوئے بھی ہم من حیث القوم عجیب احساس کمتری میں مبتلا ہو کر انگریزی زبان کو اپنے اوپر مسلط کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں انگریزی زبان تعلیم اور قابلیت کا معیار بنا دی گئی ہے۔ حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو انگریزی بھی دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح ایک زبان ہی ہے۔ جو اسے سیکھنا اور بولنا چاہے وہ اسے ضرور سیکھے اور بولے لیکن پوری قوم کو انگریزی کے حوالے سے احساس کمتری میں مبتلا کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟

ہر شخص کو زبانِ فرنگی کے باٹ سے
جو شخص تولتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
افسر کو آج تک یہ خبر ہی نہیں ہوئی
اُردو جو بولتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اب ذرا اپنے اطراف دیگر اقوام کی طرف نگاہ ڈالیں۔ دنیا کا جدید ترین ملک اسرائیل، اسرائیل میں کسی کو انگریزی نہیں آتی ان کا سارا نظام ان کی اپنی زبان عبرانی میں چل رہا ہے۔

کم مدت میں انتہائی ترقی کرنے والا ایک ملک جرمنی ہے۔ یہاں لوگ انگریزی بولنا تو درکنار انگریزی سے نفرت کا مزاج رکھتے ہیں۔

دنیائے اسلام کا ترقی یافتہ ملک ترکی جہاں استاد سے لے کر آرمی چیف اور سائنسدان سے لے کر چیف جسٹس تک سارا نظام ترک زبان میں ہے۔

چین میں کوئی سرکاری یا نجی عہدہ دار انگریزی زبان بولتا نظر نہیں آتا۔

ایران کے تمام سرکاری نظام فارسی میں ترتیب دیے گئے ہیں، یہاں ہر سال نوبل انعام کے لیے کوئی نہ کوئی نامزد ہوتا ہے۔

قومی زبان کی اسی اہمیت کے پیش نظر 1973 کے آئین کی شق 251 میں اردو کو دفتری زبان بنانے کا اعلان ہوا لیکن پھر عمل نہ ہو سکا۔

اس کے بعد 8 ستمبر 2015 کو پاکستان سپریم کورٹ نے اردو کو دفاتر میں بطور سرکاری زبان نافذ کرنے کے احکامات جاری کیے جو تا حال عمل درآمد کے منتظر ہیں۔

صاحب اقتدار و اختیار طبقہ سے اپیل ہے کہ ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ان احکامات کو جلد از جلد عملی جامہ پہنایئے۔

اردو ناگزیر ہے

ساجدہ حسین

پاکستانی ہو کر اگر ہم یہ کہیں کہ اردو ناگزیر ہے تو تعجب کی بات ہے پھر بھی میں پہلے اردو کا تعارف کرانا چاہوں گی۔ اردو زبان ایک لشکری زبان ہے۔ اردو زبان کا نمبر دنیا میں دسویں نمبر پر ہے۔ 23 کروڑ افراد کی زبان ہے۔ قائد اعظم نے 1948 میں اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا تھا۔ سب سے پہلے لفظ اردو بابر نے استعمال کیا تھا تزک بابری میں۔ اردو زبان کا زوال تب شروع ہوا جب استاد ٹیچر بن گئے، باورچی خانہ کچن ہو گیا، بیٹھک کو ڈرائنگ روم کہا جانے لگا۔ پھر غیر محسوس طریقے سے اردو کا جو زوال شروع ہوا وہ اب تک جاری ہے۔ ذمہ دار کون ہے اردو زبان کا حلیہ مغرب متاثر ہو کے ہم نے خود بگاڑ لیا۔ الفاظ جو اردو میں پہلے موجود تھے ان کو چھوڑ کر انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کر کے فخر محسوس کرنے لگے ہم لوگ کہاں سے کہاں اگئے۔ اور کہاں جا رہے ہیں۔ اردو نہ جاننے والوں کے لیے مشکل ضرور ہے مگر مادری زبان بولنے والوں کے لیے لکھنا پڑھنا اسان ہے اگر ہم ایک گھنٹہ روزانہ اردو کو سیکھنا پڑھنا شروع کریں اور حروف اعراب اور علامات لگانے کی کوشش کریں تو ہم اب اسانی سے اردو میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر آج کل ہمیں سوشل میڈیا یا اور ڈراموں سے فرصت نہیں تو اردو پڑھنے پڑھانے کے لیے وقت کہاں۔ پرانے وقتوں میں داستان یوسف، نیک بیبیوں کا قصہ وغیرہ گھروں میں پڑھا جاتا تھا۔ بچوں میں اردو کا شوق پیدا ہوتا تھا اخبار اور رسائل خریدے جاتے تھے مگر اس وقت اردو کا سب سے برا حال ہے اسی لیے اردو پڑھنا پڑھانا بہت ضروری ہے۔ اردو کو مزید فروغ دینے کے لیے دکانوں کے بورڈ اردو میں لگائے جائیں گھروں کی تختیاں اردو میں لکھی جائیں سکولوں میں اردو کی تدریس پر خاص توجہ دی جائے شعر و ادب کی محفلیں منعقد کی جائیں۔ شرط یہ ہے کہ ہم اردو سیکھنے اور سکھانے کے لیے اپنی حد تک ممکنہ سعی کریں اس کو بولنے میں فخر محسوس کریں۔

ایک بار وائس رائے کی میٹنگ

مولانا ابو الکلام ازاد کے ساتھ تھی۔ مولانا کے ساتھ ترجمان تھا میٹنگ ختم ہونے کے بعد وائس سرائے نے پوچھا اپ اچھی خاصی انگلش جانتے ہیں تو ترجمان کی کیا ضرورت ہے؟ مولانا نے بڑے پتے کی بات کی اپ سات سمندر پار سے آ کر اپنی زبان نہیں چھوڑتے تو ہم یہیں رہ کر کیوں چھوڑیں۔ کاش یہ بات پاکستانی حکمرانوں کو بھی سمجھ آ جائے اس لیے اپنی قومی زبان کی ترویج کے لیے لازمی ہے کہ ہم اس زبان کو عام کریں تا کہ پاکستان کا نام روشن ہو۔

بولتی کہانی / شیخ فرید

مجھے پڑھو!
میں نور الھدیٰ ہوں
میں عظیم المرتبت کلامِ الٰہی ہوں۔
مجھے کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جیسے فرقان الحمید اور بیان، تبیان ، عظیم، عزیز، کریم، صراط مستقیم، حکم، ذکر، نور، مبارک، نعمت، بصائر، رحمت، حق، ہادی، تنزیل، مُبین، قیّوم، بشیر، نذیر، حدیث، نجوم، حبل اور سبع وغیرہ
میں "قراءت" کرنے کے معنیٰ میں ہوں؛ کیوں کہ مجھے کثرت سے پڑھا جاتا ہے۔
میں "قرن" بھیبکھلاتا ہوں کیونکہ میں بمعنیٰ ملانے اور میری آیات ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں؛ اس لیے مجھے قرآن کہتے ہیں۔
آور قرآن جمع کرنے کے معنیٰ میں ہے؛ اس لیے کہ میری تمام سورتوں کو جمع کیا گیا ہے۔
مہری منزلیں 7عدد ہیں
سورتیں 114ہیں
میرے پارے کل 30ہیں
اور حزب 60عدد، رکوع عدد 540، آیاتیں =6236عدد، کل الفاظ =77845عدد، حروف =330733ہیں۔
میری مکی سورتیں (جو مکہ میں نازل ہوئیں) 87عدد ہیں۔
مدنی سورتیں (جو مدینہ میں نازل ہوئیں) 27عدد ہیں۔
میر انام مبارک "محمد" 4بار گیا ہے۔
میر اموضوع انسان ہے
میر انزول کادورانیہ 609سے 632ہے۔
میری سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت سورۃ العلق ہے آخری سورت، سورۃ النصر، نازل ہونے والی پہلی آیت (اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ) سورۃ العلق ہے۔ اور نازل ہونے والی آخری آیت (وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ) میری سورہ البقرۃ: 281 یا (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) المائدۃ ہے۔ میری سب سے لمبی سورت، سورۃ البقرۃ جس کی 286 آیات ہیں۔
سب سے چھوٹی سورت = سورۃ الکوثر جس کی 3 آیات ہیں۔
سب سے لمبی آیت، آیت قرض ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 282 ہے۔
سب سے چھوٹی آیت، (طٰہٰ) جو سورۃ طٰہٰ کی پہلی آیت اور (حٰم) جو، حوامیم سورتوں کے اوائل میں ہے۔
مجھے ماہِ رمضان کی ایک بابرکت رات لیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آسمانِ سے دنیا پر نازل فرمایا اور اس کے بعد حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا رہا اور تقریباً 23سال کے عرصہ میں مکمل نازل ہوا۔ میرا ابتدریجی نزول اُس وقت شروع ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ میری سب سے پہلی جو آیتیں غارِ حرا میں اُتریں، وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا۔ تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سورۃ المدثر کی ابتدائی چند آیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وحی کے نزول کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔ غرض میں تقریباً 23سال کے عرصہ میں مکمل نازل ہوا۔
علماء کرام نے میرے مضامین کی مختلف قسمیں ذکر فرمائی ہیں، تفصیلات سے قطع نظر ان مضامین کی بنیادی تقسیم اس طرح ہے:

1* عقائد

2* احکام

3* قصص۔

مجھ میں عمومی طور پر صرف اُصول ذکر کیے گئے ہیں، لہٰذا عقائد واحکام کی تفصیل احادیثِ نبویہ میں ہی ملتی ہے، یعنی میرے مضامین کو احادیثِ نبویہ کے بغیر نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر رہتی دنیا تک مشعلِ راہ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا جامع اور مانع بنایا ہے کہ ایمانیات، عبادات، معاملات، سماجیات، معاشیات واقتصادیات کے اصول مجھ میں مذکور ہیں۔ ہاں! ان کی تفصیلات احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں کا تعلق سے روز بروز منقطع ہوتا جارہا ہے۔ مجھے مسجدوں اور گھروں میں جزدانوں میں قید کرکے رکھ دیا گیا ہے، نہ میری تلاوت ہے نہ تدبر ہے اور نہ ہی میرے احکام پر عمل، آج کا مسلمان دنیا کی دوڑ میں اس طرح گم ہو گیا ہے کہ میرے کے احکام ومسائل کو سمجھنا تو درکنار اس میری تلاوت کے لیے بھی وقت نہیں ہے۔

آج لوگ بچوں کی دنیاوی تعلیم کے بارے میں سوچتے ہیں، انہیں عصری علوم کی تعلیم دینے پر اپنی تمام محنت وتوجہ صرف کرتے ہیں اور ہماری نظر صرف اور صرف اس عارضی دنیا اور اس کے آرام وآسائش پر ہوتی ہے اور اُس ابدی ولافانی دنیا کے لیے کوئی خاص جدوجہد نہیں کرتے، الاماشاء اللہ۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ اپنا اور اپنے بچوں کا تعلق وشغف (مجھ) قرآن وحدیث سے جوڑیں، اس کی تلاوت کا اہتمام کریں، علماء کی سرپرستی میں قرآن وحدیث کے احکام سمجھ کر ان پر عمل کریں اور اس بات کی کوشش وفکر کریں کہ ہمارے ساتھ، ہمارے بچے، گھر والے، پڑوسی، دوست واحباب ومتعلقین بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ پر زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ آج عصری تعلیم کو اس قدر فوقیت واہمیت دی جارہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو (میری) قرآن کریم ناظرہ کی بھی تعلیم نہیں دی جارہی ہے، کیونکہ ان کو اسکول جانا ہے، ہوم ورک کرنا ہے، پروجیکٹ تیار کرنا ہے، امتحانات کی تیاری کرنی ہے، وغیرہ وغیرہ، یعنی دنیاوی زندگی کی تعلیم کے لیے ہر طرح کی جان ومال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کو سیکھنے میں ہمیں دشواری محسوس ہوتی ہے۔ غور فرمائیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے ہماری رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے اور اس کے پڑھنے پر اللہ تعالیٰ نے بڑا اجر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور مجھے سمجھ کر پڑھنے والا احکام الٰہی پر عمل کرنے والا بنائے، آمین

میں اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انس وجن کی رہنمائی کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہوں ، میں لوحِ محفوظ میں ہمیشہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے جو فیصلے آسمانوں کے اوپر تحریر ہیں، وہ کسی بھی تبدیلی سے محفوظ ہونے کے ساتھ شیاطین کے شر سے بھی محفوظ ہیں، اس لیے مجھ کو لوحِ محفوظ کہا جاتا ہے۔۔۔۔

”جو شخص مجھے پڑھے اور مجھ پر عمل کرے اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی۔ اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو تو کیا گمان ہے تمہارا اُس شخص کے بارے میں جو خود اس پر عمل پیرا ہو۔ (ابو داود)

میں پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہوں۔

مجھے پڑھو۔۔۔ میں نور الھدیٰ ہوں۔۔

گرائمر، ادب اور بہترین ازدواجی رشتہ

😄 * نحوی دلہن کا مبتدا شوہر 😄

اہل مدارس کے لئے:

فراغت کے بعد جب لڑکی مدرسہ سے اپنے گھر آئی، تو چند دنوں بعد اس کی ماں نے پوچھا:

"بیٹی! میں چاہتی ہوں کہ اب تیری شادی کر دی جائے __ بتا تجھے شوہر کیسا چاہیے _؟"

لڑکی بولی: "اماں! میرا شوہر "مبتدا" ہونا چاہیے __ جب میں اس کی زندگی میں "خبر" بن کر جاؤں، تو ہماری زندگی کی "ترکیب" "اسمیہ خبریہ" بن کر رہے __ "

ماں حیرت سے منہ تکنے لگی۔

پھر مسکرا کر بولی: "بیٹی! تو اگر "فعل" بنے اور تیرا شوہر "فاعل" تو بھی تو زندگی کی "ترکیب" مکمل ہو جائے گی __"

بیٹی نے کہا: "نہیں اماں! میرا شوہر مبتدا ہی ہونا چاہیے۔ جانتی ہو!

جو مبتدا ہوتا ہے، وہ لفظی اور معنوی عوامل سے خالی ہوتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر جسمانی اور مالی مشکلات کا شکار ہو ___ شوہر اگر مبتدا ہوا، تو زمانے کے "جار"، "مجرور" اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے"

ماں کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا: "میری نحوی بیٹی! تو جس مبتدا کے فضائل بیان کر رہی ہے، وہ کبھی کبھی "موخر" بھی ہو جاتا ہے __ فرض کرو تمہارے شوہر کی زندگی میں اگر تم سے پہلے ہی کوئی بیوی خبر بن کر آ چکی ہو، تو پھر تیرا شوہر تیرے لیے "مبتدا موخر" ہی ثابت ہو گا۔"

بیٹی بولی: "اماں! میں نے اسی لئے تو مبتدا پسند کیا ہے۔ وہ موخر ہو یا مقدم، ہمیشہ مبتدا ہی ہوتا ہے ___ اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک فعل کا ہمیشہ ایک ہی فاعل ہوتا ہے۔ جبکہ ایک مبتدا اگر چاہے تو اس کی چار چار خبریں ہو سکتی ہیں۔

بس ماں! دعا کرو کہ ہم دونوں جب شادی بعد "معطوف علیہ" بنیں۔ تو خوشیوں کے "معطوفات" کم نہ ہوں ___ جب ہم شادی کے بعد "موصوف" بنیں۔ تو اولاد کی "صفت" ہمیشہ قائم رہے ___ ساس جب "اعراب" بن کر سامنے آئے تو میں "مبنی" کی طرح ڈٹی رہوں ___ خود "غیر منصرف" رہوں- مگر اپنی نند کو "منصرف" بنا کر رکھوں ___ "

ماں نے ہاتھ اٹھائے، اور کہا: "مولا! میری "ذوالحال" بیٹی کو اپنی رحمت کے "حال" سے مالا مال فرما! دنیا کے "نکرہ" سے بچا کر اپنی معرفت کا "معرفہ" بنا! فتنوں کے "ممیزات" کے بیچ اسے "تمیز" کی حیثیت عطا فرما! اگر ہم اس دنیا سے "محذوف" بھی ہو جائیں تو ہماری دعائیں ہماری بیٹی کی زندگی میں "ضمیر" کی طرح موجود رہیں۔

آمین یارب العالمین۔

شادی بیاہ میں بڑھتی بے حیائی

سید شہاب الدین

ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ میں فضول قسم کی رسم ورواج تو پہلے سے ہی تھیں مگر بے حیائی کا عنصر بہت کم تھا۔شادیوں میں کس طرح بے حیائی بتدریج داخل ہوئی، آیئے ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اپنے بچپن میں گلی محلوں میں ہونے والی شادیوں کے طور طریقوں اور واقعات کی تصاویر آج بھی ذہن کے پردے پر محفوظ ہے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو ان دنوں شادی بیاہ کے موقعوں پر گراموفون سے اونچی آواز میں گانے چلائے جانے کا رواج عام تھا۔کچھ دیندار اور پڑھے لکھے گھرانے اس چیز کو سخت ناپسند کرتے تھے چنانچہ وہ ان سے دور تھے۔ گراموفون کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر بجانے کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی محلے کے دیگر لوگوں کو بھی گانوں اور موسیقی کا شور برداشت کرنا پڑتا تھا۔شاید بیہودگی کی یہ ابتدا تھی۔ بعض ان پڑھ طبقے کے لوگ جن کے پاس کچھ پیسہ ہوتا وہ گلی میں اسٹیج پر رقص کی محفل بھی سجاتے جس کے لیے باہر سے پیسے دے کر رقاصہ بلوائی جاتی۔ مگر اس کا رواج خال خال ہی تھا۔

اسی کے ساتھ ہی شادی میں بلیک اینڈ وائٹ کیمروں سے فوٹو کھینچنے کا رواج بھی شامل ہوا۔کچھ عرصے بعد ہی اس کی جگہ رنگین کیمروں نے لے لی۔ادھر شادی بیاہ پر لوگوں کے گھر چھوٹے پڑنے لگے اور ہم نے مادی ترقی اور ماڈرن بننے میں ایک قدم آگے بڑھایا تو شادی ہال بننے شروع ہوئے اور شادی کی تقریبات جدید قسم کے روشنیوں سے جگمگاتے ہالوں میں انجام پانے لگیں۔اس طرح شادی میں نام ونمود کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔

پہلے دلہنوں کو گھر پر ہی سجایا اور سنوارا جایا کرتا تھا۔ مگر جب ہم پر روشن خیالی کا بھوت سوار ہوا تو بیوٹی پارلرز وجود میں آئے۔ ان بیوٹی پارلرز سے دلہنوں کے بننے سنورنے کا انداز ہی بدل گیا۔شادی والے دن دلہن کا بیوٹی پارلر جا کر فل میک اپ کرانا شادی کا ایک اہم جز بن گیا جو بدستور جاری ہے بلکہ اب تو اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ بدصورت سے بدصورت عورت بھی بیوٹی پارلر سے جب بن سنور کر نکلتی ہے تو اس کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہوتا ہے۔ایسی حسین کہ پری بھی شرما جائے۔ یہ الگ بات کہ اگلے روز میک اپ اترنے کے بعد دلہن کا بھیانک چہرہ دیکھ کر دلھا بھی اسے اپنی دلہن ماننے سے انکار کردے۔

رنگین کیمروں کی آمد کے بعد پروفیشنل فوٹو گرافرز کی خدمات حاصل کی جانے لگیں۔ مردانہ حصہ کی تصاویر لینے کے بعد فوٹو گرافرز عورتوں والے حصے میں بلوائے جاتے۔ اس سے پہلے کے فوٹو گرافرز عورتوں کے حصے میں جاتے میزبان خواتین اعلان کرتیں کہ تصویر کھینچنے والے آرہے ہیں جن جن کو پردہ کرنا ہے وہ اپنے برقعے پہن کے بیٹھ جائیں۔ گویا شریعت میں پردے کا حکم صرف مخصوص طبقہ کی عورتوں کو ہے۔ دیگر مسلمان عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ خیر فوٹو گرافرز اندر جاتے اور دلہا دلھن کے پوز لیے جاتے۔ یہاں تک بھی شرافت کچھ نہ کچھ لبادہ اوڑھے رہی۔

بات کچھ اور آگے بڑھی۔ ویڈیو گرافی کا دور آیا، ویڈیو پلیئرز اور ویڈیو کیسیٹ کیا ایجاد ہوئے کہ لوگوں کو ایک نیا مشغلہ ہاتھ آگیا۔ ہر لمحے کی ویڈیو بنانا عام ہو گیا۔ شروع شروع میں ہر ایک کے پاس ویڈیو کیمرے کی سہولت میسر نہیں تھی۔ اس مقصد کے لیے اسٹوڈیوز سے خصوصی طور پر ویڈیو گرافرز بلوائے جاتے جن کے ساتھ دو تین افراد اور بھی ہوتے جو فوٹو گرافر کے ساتھ چلنے والے کیمرے کے تاروں اور اس کی بھاری بھرکم لائٹ کو سنبھالتے پھرتے، وہ بھی اندر جاتے۔ دلہنیں جو رخصتی سے قبل کبھی چہرہ نہ کھولتیں شادی کے لمحات کو کیمرے میں قید کرنے کے لیے نامحرموں کے سامنے ویڈیوز بنوائی جاتیں، مختلف رسومات، نکاح اور رخصتی کے لمحات کی عکس بندی ہوتی۔ یہاں آکر بے حیائی نے ایک قدم اور بڑھایا۔

شادیوں میں پہلے مردوں اور عورتوں کی نشستیں الگ الگ ہوا کرتی تھیں۔ وہ اس طرح کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان ایک قناط لگی ہوتی، ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتیں۔ یوں مکمل نہ سہی مگر کچھ نہ کچھ پردے کا اہتمام ہو جایا کرتا تھا۔ مگر پھر ہمارے اندر

روشن خیالی اور مغرب کی نقالی کا بخار کچھ اور چڑھا تو درمیانی پردے کو دقیانوسی سمجھ کر گرا دیا گیا اور یوں برسوں پرانی روایت اور طریقے کو یکدم اکھاڑ پھینک دیا گیا۔ اب مخلوط بیٹھک نے اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ اول اول شرفاء کچھ جھجھکے مگر پھر یہ سلسلہ عام ہوتا گیا، یہاں تک کہ بعض ایسے گھرانوں کی شادیوں میں بھی مخلوط بیٹھک دیکھی گئیں اور دیکھی جارہی ہیں جو بظاہر دیندار ہیں۔ اور اب حال یہ ہے کہ ماسوا چند بہت زیادہ دیندار اور پردے دار گھرانوں کے سبھی نے مخلوط بیٹھک کو ہی اپنایا ہوا ہے اور افسوس تو یہ ہے کہ یہ کوئی معیوب بات ہی نہیں سمجھی جارہی۔

چلیے آگے بڑھتے ہیں۔ بے غیرتی اور بے حیائی تھوڑی سی اور بڑھی کہ شرم وحیا کی چادر ابھی پوری طرح تار تار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ دور آیا کہ کیمرہ مینوں سے دلہا دلہن کے فلمی انداز کے پوز بنوانے شروع ہوئے۔ ہر ہر انداز اور ہر ہر زاویے سے تصاویر کھینچنے اور ویڈیوز بنوائے جانے لگے۔ ایسے ایسے پوز کہ جنھیں دیکھ کر شریف آدمی شرما جائے مگر قریب ہی کھڑے باپ اور بھائی کو غیرت نہ آئے۔ بعد ازاں ان تصاویر کو بڑے اسکرین پر دوسروں کو دکھانے کا بھی اہتمام ہوتا۔

اور اب سننے میں آرہا ہے کہ دلہن کا سر محفل رقص کرنا بھی مارکیٹ میں آگیا ہے۔ لیجئے غیرت کچھ اور ختم ہوئی۔ گو رقص ابھی عام نہیں ہوا ہے مگر برائی پھیلتے دیر نہیں لگتی۔ ناچ گانا پہلے بھی کسی نہ کسی شکل میں ہوتا تھا مگر اس انداز کا نہیں جیسا اب ہے۔ محلے کی کچھ عورتیں گھروں کے اندر ڈھولک کی تھاپ پہ ہلکا پھلکا رقص کر لیا کرتیں تھیں اور وہ بھی اس طرح کہ ان پر مردوں کی نظر نہ پڑے۔ اُن دنوں مردوں کا عورتوں کے حصے میں جانا ہی سخت ممنوع تھا اور عیب سمجھا جاتا تھا۔ حمیّت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

یہ تو تھی اب تک کی صورت حال۔ ہمارا معاشرہ جس تیزی سے غیر مذاہب کی نقالی کے سبب بے حیائی میں آگے بڑھ رہا ہے، کل کلاں کو شادی کی رسومات میں شاید اور آگے بڑھ جائے اور کوئی بھی معیوب حرکت، معیوب نہ لگے بلکہ ہم اسے شادی بیاہ کی رسومات تصور کرنے لگیں۔ " محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی۔"

یہ تمام امور وہ ہیں جو فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور فحاشی پھیلانے کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالی کی طرف سے سخت وعید آئی ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جس کا دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ سورۃ نور کی ایک آیت ہے جس کا ترجمہ ہے: "یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کیلئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے"۔ (سورۃ نور، آیت 19)۔

جب عملی زندگی کی ابتداء ہی فحاشی اور بے حیائی کے کاموں سے ہوگی تو شادی کے بعد اس کے اثرات بد پڑنے لازمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں آج ہمارے معاشرے میں نوبیاہتا جوڑوں میں ناچاقی، بات بات پہ لڑائی جھگڑا، تو تکار یہاں تک کہ شادی کے کچھ ہی عرصے میں طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اولاد نافرمان ہو رہی ہے۔ پہلے شادیوں میں اتنی خرافات نہیں ہوتی تھیں تو میاں بیوی کے تعلقات بھی مضبوط ہوتے تھے، گھرانے اتنی جلدی نہیں ٹوٹتے تھے۔

ہمیں سوچنا ہوگا اور جائزہ لینا ہوگا کہ جن امور سے اللہ تعالی نے ہمیں منع فرمایا ہے کہیں ہم بھی شادی بیاہ کے موقعوں پر خوشیوں کے نام پہ بیہودہ اور بے حیائی کے امور کو انجام نہیں دے رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہم بھی اللہ کے غضب کا شکار ہو رہے ہیں۔